پروفیسر محمد اسلم صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور

(۳)

اولیاء کرام اور سلاطینِ اسلام کا مرثیہ خواں

دہلی کا تازہ سفر نامہ

اسلام کی عظمتِ رفتہ کے کھنڈرات

اگلے روز ناشتے کے بعد میں خانقاہ شاہ ابوالخیرؒ میں مولانا زید ابوالحسن سے ملتا ہوا اِروِن ہسپتال جا پہنچا۔ اس ہسپتال کے عقب میں مہندیوں کا مشہور قبرستان ہے۔ میں نے ۱۹۶۷ء میں اس قبرستان میں صدہا قبریں دیکھی تھیں۔ اب دہلی کارپوریشن کی مہربانی سے وہاں خوبصورت لان بن چکے ہیں۔ اللہ محمد علی شبیر موات کو جزائے خیر دے۔ کہ اس مردِ مجاہد کی بھاگ دوڑ سے قبروں کے دو تاریخی احاطے کارپوریشن کی دستبرد سے بچ گئے ہیں۔ اگر یہ مردِ مجاہد بروقت مقابلہ کے لئے کھڑا نہ ہو جاتا تو کارپوریشن ان احاطوں پر بھی بُل ڈوزر چلا دیتی۔

مہندیوں میں داخل ہوتے ہی ایک مسجد نظر آتی ہے جو "مکّی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کے صحن میں چالیس پچاس قبریں ہیں۔ جن میں سب سے نمایاں قبر دسویں صدی ہجری کے مشہور محدث شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کی ہے ان کے لوحِ مزار پر یہ عبارت درج ہے:-

۷۸۶ - مرقد

حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ - ابن حضرت شیخ حسن طاہر -

سن پیدائش ۹۰۷ھ - تاریخ وفات ۶ جمادی الثانی ۹۷۵ھ بعمر ۶۸ سال

فسبحٰن الذی بیدہ الملکوت کل شیئٍ والیہ ترجعون پڑھتے ہوئے رحلت فرمائی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کی تاریخ اس قطعہ میں کہی۔

شیخ کامل عارفِ دوران خود عبدالعزیز — آنکہ میداد اہل اللہ دل را مجلسش یاد از بہشت
ہر چہ از اوصاف اہل اللہ در عالم بود — حق تعالیٰ ز اوّل فطرت بذات اُو سرشت
یادگار اہل چشت اُو بود در دورانِ خود — گشت ازاں تاریخ فوتش "یادگار اہل بہشت"
۹۷۵ھ

آپ کا وطن اُچہ ضلع ملتان[1] تھا۔ اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت

---

[1] یہاں ملتان کی بجائے بہاولپور ہونا چاہئے تھا۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے مزار کی جاروب کشی کیا کرتے تھے۔

نصب کردہ۔ فقیر علی محمد متولی درگاہ ہذا

حضرت شکر بارؒ کی قبر سے چھ میٹر جانب جنوب سر سید احمد خان اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے استاد مولانا مملوک العلیؒ محوِ استراحت ہیں۔ ان کے لوحِ مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۷۸۶ اُستاد الکل

مولانا مملوک العلی نانوتوی

وفات۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ

نصب کردہ۔ محبوب نبیرہ

حضرت شکر بار کی قبر سے جانب جنوب مشرق اندازاً تین میٹر کے فاصلے پر بھارت کا مشہور سارنگی نواز عبدالشکور خاں کیرانوی محو خواب ابدی ہے۔ اس فن کار کی قسمت پر رشک آتا ہے کہ اسے کہاں اور کن بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی سعادت ملی۔ اس کے لوحِ مزار پر یہ عبارت منقوش ہے۔

۷۸۶ اللھم اغفرہ وارحم

مشہور سارنگی نواز پدم شری عبدالشکور خان کیرانوی

نے ۷۵ سال کی عمر میں پیر کے روز ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ۔ مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کے سبب داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ کرم ہوگا ذرا ہاتھ اٹھائیے
اور فاتحہ اس قبر پہ بھی پڑھتے جائیے

مکی مسجد میں کئی طلبہ مقیم ہیں اس لئے یہ مسجد آباد ہے۔ اور وہاں پانچوں وقت اذان اور نماز باجماعت ہوتی ہے اس مسجد کے عقب میں علی محمد صاحب کا گھر ہے۔ اور اس گھر سے ملحق ایک وسیع کمرہ ہے جو " شاہ ولی اللہ ہال " کے نام سے موسوم ہے۔ میں نے علی محمد صاحب سے کہا کہ میں بہت دور رہتا ہوں، اگر دہلی میں مقیم ہوتا تو ہر ہفتے اس ہال میں شاہ ولی اللہ کی تعلیمات پر لیکچر دیا کرتا۔

مکی مسجد سے جو راستہ شاہ ولی اللہ کی درگاہ کی طرف جاتا ہے اس راستے میں سڑک کے کنارے مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی یاد میں دو ستون بنے ہوئے ہیں ان میں سے ایک ستون پر یہ شعر درج ہے۔ جو مرحوم نے بھارتی پارلیمنٹ کے ایک اجلاس میں پڑھا تھا:۔

جب زمانہ میں کوئی فتنہ نیا اٹھتا ہے
وہ اشارہ سے بتا دیتے ہیں تربت میری

ان ستونوں سے آگے بڑھیں تو اندازاً چالیس میٹر کے فاصلے پر نئے تعمیر شدہ کمرے نظر آتے ہیں، جن میں مدرسہ رحیمیہ قائم ہے۔ ابتداء میں مفتی ضیاء الحق دہلوی اس مدرسہ کے مہتمم تھے۔ لیکن ان دنوں "محاسن موضح القرآن" کے مصنف مولانا اخلاق حسین قاسمی اس منصب پر فائز ہیں۔ مدرسہ رحیمیہ ۱۸۴۶ء میں شاہ محمد اسحاق کی ہجرت کے بعد عملاً ختم ہو گیا تھا اور ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں کسی ہندو نے قبضہ کر لیا تھا۔ غالب کے خطوط میں اس غاصبانہ قبضے کی تفصیل موجود ہے۔ ۱۹۸۱ء میں علی محمد صاحب کی سعی و کاوش سے اس کا دوبارہ اجرا ہوا۔ اس مرد حق نے جنگل میں منگل کا سماں پیدا کر دیا ہے۔ اب شاہ ولی اللہ کی درگاہ میں شب و روز قال اللہ و قال الرسول کی آوازیں سننے میں آتی ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مدرسہ میں سے گذر کر شاہ ولی اللہ کی درگاہ میں داخل ہوتے ہیں۔ درگاہ کا دروازہ "باب الولی" کے نام سے موسوم ہے۔ اور اس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک

باب الولی سے گذر کر آگے بڑھیں تو دائیں ہاتھ ایک شاندار مسجد نظر آتی ہے پہلے یہ پرانے طرز کی ایک چھوٹی سی مسجد تھی لیکن تعمیر جدید کے بعد اس میں سو طلبہ کے قیام کی جگہ نکل آئی ہے۔ اس مسجد کے صحن کے ساتھ ہی جانب جنوب مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی قبر ہے۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

۷۸۶ اللہ مرقد محمد

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن۔ سابق ناظم عمومی جمعیۃ العلماء ہند

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم ہو گئے خاک انتہا یہ ہے

تاریخ وفات۔ یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۶۲ء

مولانا سیوہاروی کی قبر سے ایک میٹر کے فاصلے پر جانب مشرق ڈاکٹر سید محمود کی قبر ہے۔ قبر کے سرہانے صرف ان کا نام درج ہے۔ ان کے لواحقین نے تاریخ وفات بھی درج کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ سید محمود کی پائنتی مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے سب سے بڑے بیٹے عزیز الرحمٰن کی قبر ہے۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۷۸۶ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

عزیز ملت مولانا عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی ابن رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

"تاریخ پیدائش۔ ۱۰ مئی ۱۹۱۹ء لدھیانہ۔ تاریخ وفات۔ ۲۸ مئی ۱۹۷۶ء۔ دہلی

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب او

مسجد کے جنوب میں ایک چھوٹا سا چبوترہ ہے۔ اب علی محمد نے اس پر ایک بارہ دری بنا دی ہے۔ اس

چبوترے پر ہندوستان کا ایک صدی کا علم اور تقویٰ دفن ہے۔ خاندان ولی اللہی کے مزارات کی ترتیب یوں ہے۔

اہلیہ شاہ مخصوص اللہ	شاہ محمد موسیٰ شاہ مخصوص اللہ	شاہ عبدالعزیز	شاہ عبدالسلام سید اشرف احمد	شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ	شاہ عبدالقادر شاہ عبدالرحیم	شاہ عبدالغنی اہلیہ شاہ عبدالرحیم	اہلیہ شاہ ولی اللہ	شاہ محمد عمر دختر شاہ عبدالقادر

ان قبروں کے سرہانے سب بزرگوں کے نام درج ہیں۔

اس بارہ دری کے مغرب میں حکیم مومن خان مومنؔ کی قبر ہے۔ مومنؔ شاہ عبدالقادر کے شاگرد اور سید احمد بریلوی

کے مرید تھے۔ اسی لئے انہیں خاندان ولی اللہی کے قریب ابدی آرام گاہ ملی۔ مومنؔ کی قبر پر علی محمد نے چپس کا بڑا عمدہ کام

کروایا ہے۔ ان کے لوح مزار کے ایک طرف یہ عبارت درج ہے۔

۷۸۶

حکیم محمد مومن خان مومنؔ دہلوی

۱۲۱۵ ——— ۱۲۶۸ھ

نصب کردہ۔ نفیر علی محمد عفی عنہ متولی درگاہ ہذا در ۱۳۶۳ھ

تاریخ وفات مومن فرمودہ خود

دست و بازو بشکست

مومنؔ کے لوح مزار کی دوسری جانب ایک طویل عبارت کندہ ہے جس میں ان کی زندگی کی اہم سنیں درج ہیں۔

۱۹۸۱ کے سفر میں محمد علی نے میری آمد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہ ولی اللہ کی مسجد میں شاہ صاحب کی تعلیمات

پر میرا ایک لیکچر رکھ دیا۔ اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کو صدارت کی زحمت دی۔ دہلی کے مسلم اخبارات میں اس لیکچر کا

اشتہار دیا گیا تھا اس لئے اس موقع پر خاصی حاضری ہو گئی تھی۔ اگلے روز اخبارات میں اس لیکچر کا خوب چرچا ہوا۔

مہندیوں سے نکل کر میں بہادر شاہ ظفر روڈ پر ملّا عبدالغنی کی مسجد دیکھنے گیا۔ یہ مسجد اکبر کے زمانے میں ملّا

عبدالغنی صدر الصدور نے تعمیر کرائی تھی۔ ان دنوں اس مسجد میں جمعیت العلماء ہند کا صدر دفتر ہے۔

مسجد ملّا عبدالنبی کے قریب ہی لب سڑک ایک چوکور مقبرہ دکھائی دیتا ہے۔ لوگ اسے بھولی بھٹیاری کا مقبرہ

بتاتے ہیں۔ دراصل یہ بوعلی بختیاری نامی ایک بزرگ کا مقبرہ ہے۔ ان پڑھ عوام نے بوعلی بختیاری کو بھولی بھٹیاری بنا دیا۔

بہادر شاہ ظفر روڈ آگے جا کر متھرا روڈ میں مل جاتی ہے۔ متھرا روڈ پر بائیں ہاتھ پرانا قلعہ دکھائی دیتا ہے

اس قلعہ کے اندر شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ مسجد اور شیر منڈل کی عمارتیں قابلِ دید ہیں۔ اسی شیر منڈل سے گر کر ہمایوں

نے وفات پائی تھی۔

۱۹۴۷ء کے فسادات میں دہلی کے مسلمانوں نے اسی قلعہ میں پناہ لی تھی۔ قلعہ کے بالمقابل لب سڑک ایک قلعہ نما عمارت کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ یہ مدرسہ خیر المنازل کی شکستہ عمارت ہے۔ یہ مدرسہ اکبر کی رضاعی ماں ماہم انگہ نے تعمیر کیا تھا۔ "خیر المنازل" سے اس کی تاریخ بنا (۹۶۹ھ) نکلتی ہے۔ ان کھنڈرات کو دہلی کارپوریشن کی دستبرد سے بچانے کے لئے مسلمانوں نے یہاں نماز عید ادا کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

متھرا روڈ پر ایک باغ میں مشہور شاعر بیدل کی قبر ہے۔ اسی مناسبت سے یہ باغ "باغ بیدل" کے نام سے موسوم ہے۔ بیدل کے چند افغان مداحوں نے وہاں ایک یادگاری پتھر نصب ہے۔ یہ وہی بیدل ہے جس کے بارے میں غالب نے کہا تھا ؎

طرز بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خان قیامت ہے

باغ بیدل سے آگے بڑھیں تو بائیں ہاتھ ہمایوں کا مقبرہ نظر آتا ہے۔ اسے مغلوں کا ویسٹ منسٹر ایبے کہنا چاہیے ہمایوں کے علاوہ وہاں مغل شہزادوں اور شہزادیوں کی ۱۵۰ قبریں ہیں۔ اسی مقبرے میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے پناہ لی تھی اور یہیں سے اسے گرفتار کیا گیا تھا۔ دہلی میں یہ سب سے بڑا مقبرہ ہے۔ اسی مقبرے کے ایک گوشے میں افغان دورِ حکومت کے ایک نامور امیر عیسیٰ خان کا مقبرہ ہے۔ جو افغان طرزِ تعمیر کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ ہمایوں کے مقبرے کی چار دیواری کے باہر جانب جنوب ایک گوردوارہ نظر آتا ہے۔ دہلی کے قدیم باشندوں کا یہ کہنا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کا قیام اسی گوردوارہ کی جگہ پر تھا۔

ہمایوں کے مقبرے سے حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ بالکل قریب ہے۔ درگاہ کا راستہ بنگلے والی مسجد کے سامنے سے ہو کر گذرتا ہے۔ یہ مسجد تبلیغی جماعت کا مرکز ہے۔ یہیں سے یہ عالمگیر تنظیم اٹھی تھی مسجد کے اندر ہر وقت وعظ و تذکیر اور ذکر و تسبیح کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ دہلی کی سب سے زیادہ رونق والی مسجد ہے۔ مسجد کے جنوبی گوشے میں مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف کی قبریں ہیں۔ اسی مسجد میں ۱۹۴۷ء میں راقم السطور کی ملاقات شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ سے ہوئی تھی۔ مرحوم نصف گھنٹے تک مجھ بے نوا سے مصروف گفتگو رہے تھے۔ اب اسی مسجد کے مشرق میں چار منزلہ شاندار ہوسٹل بن گیا ہے۔

بنگلے والی مسجد کے شمال میں ایک مقبرہ نما عمارت "لال محل" کے نام سے موسوم ہے۔ اس عمارت میں علامہ اخلاق حسین دہلوی رہتے ہیں۔ میں جب بھی دہلی جاتا ہوں ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا ہوں۔ اس بار انہوں نے اپنی ایک تصنیف "آئینۂ ملفوظات" عنایت فرمائی۔ جس میں انہوں نے فوائد السالکین، اسرار الاولیاء اور راحت القلوب کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ بعض اہل علم کو ان کتابوں کی صحت میں شبہ ہے۔

ہیں تلاش بسیار کے باوجود مرزا مظہر جانجاناںؒ کے مرشد گرامی حضرت خواجہ نور محمد بدا ؤنی رحمہ اللہ کے
مزار کا اتہ پتہ نہ چلا سکا۔ مولانا زید ابو الحسن نے مجھے اس کا محل وقوع بھی بتایا تھا لیکن میں وہاں نہ پہنچ سکا۔ میں نے
علامہ صاحب سے اس کا پتہ پوچھا تو انہوں نے اپنے فرزند کو میرے ساتھ کیا۔ اور وہ مجھے نالہ پار ایک قبرستان میں
لے گئے۔ وہاں ایک چار دیواری کے اندر حضرت نور محمد بدا ؤنی کا مزار ہے۔ اسی جگہ مولانا زید ابو الحسن کی والدہ ماجدہ
اور اہلیہ محترمہ بھی محوِ خواب ابدی ہیں۔ شاہ صاحب نے اس مزار کی چند سال پہلے مرمت کرا دی ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ
حضرت نور محمدؒ، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے پوتے خواجہ سیف الدین کے مرید اور خلیفہ تھے۔
بنگلے والی مسجد سے آگے بڑھیں تو بائیں ہاتھ غالب اکیڈمی کی پانچ منزلہ عمارت نظر آتی ہے۔ اکیڈمی کی مغربی دیوار
سے متصل ایک احاطے میں غالب کی قبر ہے۔ میں نے ۱۹۵۵ء میں یہاں درجنوں قبریں دیکھی تھیں۔ اب صرف تین قبریں
باقی رہ گئی ہیں۔ غالب کی قبر ایک چھتری کے نیچے ہے جس وقت میں وہاں پہنچا تو ایک کتّا وہاں آرام کر رہا تھا۔ افسوس
کہ چھتری کے دروازے پر کسی نے دروازہ لگانے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ غالب کے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے

یا حی
یا قیوم

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مُرد — اسد اللہ خاں غالب مرد
کل میں غم و اندوہ میں با خاطرِ محزوں — تھا تربتِ اُستاد پہ بیٹھا ہوا غمناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروحؔ — ہاتف نے کہا "گنجِ معانی ہے تہ خاک"
۱۲۸۵ھ

چھتری سے باہر غالب کی پائنتی، اس کے منہ بولے بیٹے نواب زین العابدین خان عارفؔ (المتوفی ۱۲۶۸ھ) کی قبر ہے
اس کی وفات پر غالب نے بڑا پر درد مرثیہ لکھا تھا۔
عارف کی قبر سے جانب مشرق، احاطے سے باہر، غالب کے سسر نواب الٰہی بخش خان معروفؔ (متوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء)
کی قبر ہے لوح مزار پر صرف ان کا نام اور سنِ وفات کندہ ہے۔
غالب کے احاطے کا ایک دروازہ چونسٹھ کھمبہ کی عمارت میں کھلتا ہے۔ چونسٹھ کھمبہ دراصل سنگ مرمر کی ایک شاندار عمارت ہے
اس عمارت کی چھت کو چونسٹھ ستون سنبھالے ہوئے ہیں اس لئے اس کا نام چونسٹھ کھمبہ پڑ گیا چھت کے نیچے کئی قبریں ہیں جن میں سب سے
نمایاں اکبر کے رضاعی بھائی خانِ اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کی ہے — غالب اکیڈمی سے آگے بڑھیں تو دائیں ہاتھ قبروں کا سلسلہ شروع
ہو جاتا ہے ان میں نمایاں قبر شیخ محمد عبد اللہ سابق وزیر اعلیٰ کشمیر کی خوشدامن کی ہے۔ مرحومہ کے حالات زندگی شیخ عبد الشکور نے "سبز تا
بیگانہ" میں لکھے ہیں۔ اسی احاطۂ قبور میں ایک قبر نظام الدین اولیاؒ کے بھانجے شیخ نقی الدین نوحؒ کی ہے یہ بزرگ سلاطین و امرا کے ہاں آمد و رفت
رکھتے تھے ایک دن سلطان المشائخ نے ان سے کہا کہ اگر وہ سلاطین و امرا کے ہاں جانا ترک کر دیں تو موصوف انہیں اپنا جانشین مقرر کر دیں شیخ موصوف نے یہ
عادت ترک نہ کی اور یوں بھی ان کا انتقال شیخ المشائخ کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ اسی جگہ سیر الاولیا کے مصنف امیر خورد کرمانی کی قبر ہے اور اس پر
کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے؛